پروفیسر سید محمد سلیم ☆

مسلمانوں کا ذوق جمال، فنون لطیفہ اور فن خطاطی

عقل حسی

عقل اور حکمت اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام ہے جو انسان کو عطا ہوا ہے۔ انسان نے جب زمین پر قدم رکھا تھا تو صفر سے آغاز کیا تھا۔ عقل و حکمت سے کام لینے کی بدولت آج وہ عظیم الشان قصر تہذیب و تمدن اور رفیع الشان منارۂ علوم و فنون قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ماضی کی ہر قوم نے اس قصر کی تعمیر میں حصہ لیا۔ اپنی باری پر تہذیب و تمدن کے نکھار میں اور علوم و فنون کی وسعت میں حصہ لیا۔ قومیں فنا ہوتی رہیں مگر علم و تہذیب کا قافلہ بدستور رواں دواں رہا۔ علوم و فنون کا ذخیرہ بدستور بڑھتا رہا۔ عقل کی دو بڑی قسمیں ہیں حسی اور وجدانی۔

عقل حسی کا ایک طریقہ کار تو تحلیلی اور تجزیاتی ہے۔ پھر استنباط اور استدلال کا ہے۔ پہلے وہ ایک شے کو لیتی ہے، اس کی تحلیل اور اس کا تجزیہ کرتی ہے۔ پھر استنباط اور استدلال کے عمل کے ذریعے اس میں پنہاں اصول و ضوابط کا انکشاف کرتی ہے۔ یہ عقل حسی کی قیمتی یافت ہے۔ اس کی مدد سے پھر وہ نئی نئی معلومات کا انکشاف کرتی ہے اور نئی نئی اشیاء مفیدہ بھی پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ یہ سائنس طریقہ کار ہے۔ یہ سائنس کا میدان عمل ہے۔ جدید تہذیب کے انسان نے، سائنس دانوں نے اس میدان میں عظیم الشان کامیابیاں حاصل کی ہیں۔

عقل حسی کا دوسرا طریقہ کار تالیفی اور امتزاجی ہے۔ انسانی ذہن جدا جدا اجزاء پر قناعت نہیں کر سکتا۔ وہ ان کو جوڑ کر ایک تصور کل بنانا چاہتا ہے۔ وہ کل سے تعلق قائم کرنا چاہتا ہے۔ مختلف دائروں سے اور مختلف ذرائع سے حاصل شدہ معلومات کو عقل حسی، تالیف اور امتزاج کے ذہنی عمل سے گزار کر ایک کل کی شکل میں دیکھنا چاہتی ہے۔ اس طرح ایک مجموعہ تیار کرتی ہے۔ ایک "کل" بناتی ہے۔ منتشر اجزاء کو مربوط کرتی ہے۔ اس طرح وہ کائنات رنگ و بو کی حقیقت دریافت کرنے میں کوشاں رہتی ہے۔ یہ فلسفہ کا طریقہ کار ہے۔ یہ فلسفیوں کا میدان کار ہے۔

عقل وجدانی

عقل کی دوسری قسم وجدانی ہے۔ عقل وجدانی کی نظر عالم مادیت سے بلند ہو کر عالم مثال (Ideal) پر ہوتی ہے۔ وہ عقل حسی کے دائرہ کار "کیا ہے" پر قناعت نہیں کرتی بلکہ "کیا ہونا چاہئے" پر توجہ مرکوز رکھتی ہے۔ دونوں کے دائرہ کار مختلف ہیں۔ مزید برآں دونوں کے طریقہ کار بھی مختلف ہیں۔ عقل وجدانی کا طریقہ کار نہ تحلیلی ہے اور نہ تالیفی ہے بلکہ وجدانی ہے۔ وجدان، حواس کے علاوہ ایک اور ذریعہ علم ہے جو عقل کو حاصل ہے۔ عقل حسی کی یافت "فنون مفیدہ" کہلاتے ہیں اور عقل وجدانی کی یافت "فنون لطیفہ" کہلاتے ہیں۔

عقل وجدانی کی سرگرمی کے میدان دو ہیں۔ عالم مثال کی جستجو اور حقیقت کبریٰ سے تقرب عقل وجدانی ان دو میدانوں میں اپنی کاوشیں پیش کرتی رہتی ہے۔ عقل وجدانی "حاضر موجود" سے بڑی جلدی اکتا جاتی ہے، بیزار

☆ ڈائریکٹر ادارہ تعلیمی تحقیق، ۷/۴ ایبٹ پارک مزنگ، لاہور

ہو جاتی ہے۔ پھر وہ اس سے بہتر اور اس سے اعلیٰ کی تلاش میں لگ جاتی ہے۔ وجدان میں بہتری کا خواب دیکھتی ہے اور ظاہر میں اس خواب کی تعبیر معلوم کرنے کے درپے ہو جاتی ہے۔

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب دیکھئے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں
حالی

علامہ اقبال زیادہ وضاحت سے فرماتے ہیں

ہر نگارے کہ مرا پیش نظر می آید
خوش نگارے است ولے خوشتر ازاں می باید

عقل وجدانی ایک نادیدہ محبوب کی تلاش میں سرگرداں رہتی ہے۔ ایک نہ سیراب ہونے والی تشنگی سے بے تاب اور مضطرب رہتی ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں

از روز گار خویش ندانم جز ایں قدر
خوابم زیاد رفتہ و تعبیرم آرزو است

انسانی زندگی میں عقل وجدانی کا خاص مقام ہے۔ یہ خوب تر کی تلاش میں دراصل وہ قوت محرکہ اور جذبہ فعال ہے جس نے صدہا سال سے نوع انسانی کو متحرک اور سرگرم عمل بنا رکھا ہے۔ انسان نے ساری ترقی اسی جذبہ کے نتیجے میں حاصل کی ہے۔ اسی کی بدولت نوع انسانی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کا سفر تسلسل کے ساتھ بلا انقطاع جاری رکھے ہوئے ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جو انسان کو کسی ایک مقام پر چین سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ حیوانوں میں یہ جذبہ مفقود ہے۔ وہ روز ازل سے ایک مقام پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ انسان کی طبیعت یہ ہے کہ وہ ایک حالت سے' ایک مقام سے' ایک شے سے بہت جلد اکتا جاتا ہے' بیزار ہو جاتا ہے اور پھر اس سے بہتر اور برتر کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتا ہے۔

چوں نظر قرار گیرد بہ نگار خوب روئے
تپد آں زماں دل من پئے خوب تر نگارے

ز شرر ستارہ جویم ز ستارہ آفتابے
سر منزلے ندارم کہ بمیرم از قرارے

انسان کے اس سفر کی عملی تصویر دیکھنا ہو تو اس پر غور کیجئے کہ پہلے انسان پیدل سفر کرتا تھا۔ پھر اس نے گدھے اور گھوڑے پر سفر کرنا شروع کیا۔ پھر بیل گاڑی اور گھوڑا گاڑی بنائی۔ پھر بس میں اور کار میں سفر اختیار کیا۔ ریل پر سفر کیا اور اب جہاز پر اور کنکارڈ جہاز پر اڑتا ہے۔ الف لیلہ کی کہانیوں میں صدیوں قبل اڑن کھٹولے کا جو خواب انسان نے دیکھا تھا آج کا جہاز اس کی تعبیر ہے۔ تمدن کے کسی مظہر پر نظر ڈالئے' اسی قسم کا ارتقائی سفر آپ کو ہر جگہ نظر آئے گا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ بظاہر تو عقل وجدانی کی سرگرمی مادی ماحول سے ماوریٰ یا بیگانہ نظر آتی ہے مگر درحقیقت وہ ایسی بیگانہ بھی نہیں ہے۔ بالآخر اشیاء مفیدہ کی تقویت کا سبب بنتی ہے۔ فنون لطیفہ فنون مفیدہ کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں۔

عقل وجدانی کا رخ عالم مثال کی جانب ہوتا ہے۔ اعلیٰ معیار کی جستجو میں ذہن انسانی ایک نیا خواب دیکھتا ہے جو

حاضر و موجود سے افضل اور اعلیٰ ہوتا ہے۔ پھر وہ مثالی شے کا نقشہ پیش کر دیتا ہے۔ دوسرے لوگ اس سے رہنمائی پا کر خواب کی حقیقت معلوم کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں اور خواب کو موجود کی شکل دے دیتے ہیں۔
علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

زندہ دل سے نہیں پوشیدہ ضمیر تقدیر
خواب میں دیکھتا ہے عالم نو کی تصویر

اور جب بانگ اذاں کرتی ہے بیدار اسے
کرتا ہے خواب میں دیکھی ہوئی دنیا تعمیر

یہ کچھ خاص قسم کے افراد کے خواب ہیں جو فنون لطیفہ کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔ فنون لطیفہ کی ابتدائی شکل تو محض نقالی ہوتی ہے۔ بھونڈی اور بے جان ہوتی ہے مگر ایک مدت ریاض کرنے کے بعد وہ منزل آتی ہے کہ

ے ہے رگ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو

اس وقت وہ فن کا اعلیٰ نمونہ تخلیق کرتا ہے۔ فن پارہ خود اپنی زبان سے بول اٹھتا ہے' اپنی اہمیت پیش کرتا ہے۔ آج بھی تاج محل کو دیکھیے۔ تین صدیاں بیت چکی ہیں۔ مگر آج بھی عقل وجدانی اس کے حضور سلام عقیدت پیش کرتی ہے۔ اس کو دیکھ کر مبہوت ہو جاتی ہے۔ اور فنکار کی عظمت کو نذرانہ عقیدت پیش کرتی ہے جس نے سنگ وخشت میں حسن کی ایسی ابدی تصویر کھینچ دی۔

عقل وجدانی کی کاوش کا دوسرا بڑا مظہر یہ ہے کہ وہ حاضر و موجود پر قناعت نہیں کرتی۔ وہ کائنات رنگ و بو کے پس پردہ' وراء الوراء حقیقت کبریٰ سے آشنائی چاہتی ہے۔ اس کا تقرب حاصل کرنا چاہتی ہے۔ الوہیت تک رسائی چاہتی ہے۔ مختلف مذاہب کے پیروؤں کا مختلف زمانوں میں جوگی' سنیاسی' قلندر' اگناسٹک' راہب صوفی کی شکل میں ایک طویل قافلہ نظر آتا ہے جو اس دشوار گزار سنگلاخ زمین کی رہ نوردی کر رہا ہے۔ یہ تو عملی دنیا ہے اور نظری دنیا میں حقیقت یہ ہے کہ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

"اعلیٰ ریاضی' اعلیٰ فلسفہ اور اعلیٰ شاعری کا ہدف آخری حقیقت کبریٰ کی تلاش و جستجو اور تقرب ہوتا ہے" حقیقت کبریٰ کی تلاش و جستجو کے دو میدان۔ مذہب اور تصوف سے تو سب واقف ہیں۔ اس حقیقت سے کمتر لوگ واقف ہیں کہ فنون لطیفہ کا رخ بھی حقیقت کبریٰ کی جانب ہوتا ہے۔ مادیت سے بھاگ کر اور کہاں جائے۔
مولانا روم فرماتے ہیں

گویند رفیقانم از عشق بہ پرہیزم
از عشق بہ پرہیزم پس با کہ بیاویزم

علامہ اقبالؒ زیادہ وضاحت سے فرماتے ہیں۔

نگہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں
خرد بھکی ہوئی ہے چار سو میں

نہ چھوڑ اے دل فغان صبح گاہی
اماں شاید ملے اللہ ھو میں

مگر یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عقل وجدانی نے ماضی کی قوموں میں' حقیقت کبریٰ کی جستجو میں' تعبیر میں

اور تشریح میں سخت ٹھوکریں کھائی ہیں۔ سینکڑوں قوموں کو گمراہی اور ہلاکت کی غاروں میں دھکیل دیا۔ مذاہب عالم کی داستان دراصل ان لغزشوں اور گمراہیوں کی داستان ہے۔

ایران کے مجوسیوں نے حقیقت کبریٰ کا جلوہ نور میں دیکھا اور پھر اس کو نار سے تعبیر کیا۔ نار کو اس کا مظہر قرار دیا۔ سارے ملک میں آتش کدے روشن ہو گئے ساری قوم آتش پرست بن گئی۔ پھر نور کی تفہیم کے لئے ظلمت کا وجود بھی ضروری قرار دیا گیا۔ نور و ظلمت کا تضاد پیش کیا گیا۔ اس سے اہرمن اور یزداں کا بروز ہوا۔ ہندوؤں کے مہارشوں نے صفات حسنہ کا انکار کر کے "ذات بے چون و بے چگون" پر سارا زور دے دیا۔ عامتہ الناس ایسی ہستی کا تصور کرنے سے قاصر رہے۔ پھر مہارش نیچے گرے اور توجہ مرکوز کرنے کے لئے حسی مجسمہ سازی کی اجازت دے دی۔ یہی بات بیرونی نے پیش کی ہے۔ یہی بیان ابوالفضل کا ہے اور یہی توجیہہ ہم عصر ہندو فلسفی پروفیسر رادھا کرشنن نے پیش کی ہے۔ یہاں سے بت پرستی اور بت سازی کا وہ سیلاب بہہ نکلا جس نے سارے ایشیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس لئے عقل وجدانی کی تلاش و جستجو کی اہمیت تسلیم، مگر اسکی تعبیر و تشریح نے ایک خلق کو گمراہ کیا ہے۔

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
رہنما ہو ظن و تخمین تو زبوں کار حیات

اور پھر خود عقل وجدانی کی رسائی پر بھی گفتگو ہو سکتی ہے۔ بقول اقبالؒ

گاہ مری نگاہ تیز چیر گئی دل وجود
گاہ الجھ کے رہ گئی میرے توہمات میں

تنبیہات

قرآن مجید انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے نازل کردہ آخری کتاب ہے۔ نوع انسانی کی غلط اندیشیوں، کج فکریوں اور گمراہیوں کو یہ آخری کتاب کیسے نظرانداز کر سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی غلط اندیشیوں کی ایک ایک جگہ کی نشان دہی فرمائی ہے اور امت محمدیہ کو گمراہی کے ان گڑھوں سے باخبر کر دیا تاکہ وہ ان سے محفوظ رہے۔ وہ ان گڑھوں میں نہ گرے۔ قرآن مجید نے اقوام ماضی کی گمراہیوں کو بیان کیا ہے اور پھر ان پر سخت تنقید فرمائی ہے۔ ان گمراہیوں میں سرفہرست "شرک" ہے جس کی قرآن مجید نے سب سے زیادہ مذمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ومن یشرک باللہ فکانما خر من السماء فتخطفہ الطیر او تھوی بہ الریح فی مکان سحیق (الحج - ۳۱)

جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک اختیار کرتا ہے وہ گویا آسمان سے نیچے گر پڑا۔ پھر اس کو یا تو پرندے اچک لے جائیں یا ہوا کسی ایسی جگہ پھینک دے گی جہاں اس کے چیتھڑے اڑ جائیں گے

شرک اختیار کرنے کے بعد انسان اشرف المخلوقات کے بلند مرتبے سے نیچے گر جاتا ہے۔ جب وہ شجر و حجر کو اپنا معبود بنا لیتا ہے تو درحقیقت وہ اپنی انسانیت کو گم کر دیتا ہے وہ اپنے سے کم تر مخلوق کا غلام بن جاتا ہے۔ وہ جمادات سے بھی فروتر ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال اس ذرہ کی ہو جاتی ہے جس کو اگر کوئی پرندہ دیکھ لے وہ اچک لے یا ہوا کی زد پر آجائے تو وہ اس کو اڑا کر کہیں کا کہیں پھینک دے۔ ایسے ذرہ کی کیا وقعت رہ گئی۔

بت پرستی گمراہی کا وہ گڑھا ہے جس میں ماضی کی لاتعداد اقوام گر کر تباہ اور ہلاک ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بت پرستی سے سختی سے منع کرتا ہے۔

فاجتنبوا الرجس من الاوثان - (الحج-۳۱) پس بتوں کی گندگی سے بچو۔ تخیلات و توہمات کے بت ہوں یا تصورات و

نظریات کے۔ ان سب سے بچو۔ ان کی پرستش کرنا' انسانیت کی تحقیر و تذلیل ہے۔

راہ ضلالت سے تنبیہہ کرنے کے بعد مثبت طور پر الوہیت کی حقیقت بیان فرمائی کہ تم کسی بھی تخیل آرائی اور تصویر سازی سے الوہیت کی حقیقت کو نہیں پا سکتے وہ وراء الوراء ہے۔

لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر۔ (الانعام ۱۰۳) نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں۔ وہ نگاہوں کو پا سکتا ہے۔ وہ نہایت لطیف اور باخبر ہے۔

ایک دوسری آیت میں مزید تشریح اس طرح فرمائی ہے۔

لیس کمثلہ شی وھو السمیع العلیم (شوری ۔۱۰) کائنات کی کوئی شے اس کے مشابہہ نہیں ہے۔ وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ حقیقت کبریٰ اور الوہیت کا تصور قرآن مجید میں کامل تنزیہہ اور کامل تطہیر کا ہے۔

نہ پہنچی وہاں تک خرد کی کمند   بہت اونچی ہے اس کی بام بلند

حقیقت کبریٰ سے تقرب حاصل کرنے کی راہ پر قرآن مجید نے مثبت اور منفی دونوں نوعیت کے سنگ میل نصب کر دیئے ہیں تاکہ رہرو راہ حقیقت غلط اندیشیوں' لغزشوں اور گمراہیوں سے بچیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان علماء و مفکرین مادی کثافت سے بلند ہو کر حقائق بسیطہ اور تجریدی افکار میں ترقی کرتے رہے۔

عملی راستہ

انسان مادی مخلوق ہے۔ گوشت پوست کا ایک پتلا ہے۔ اس کی بعض طبعی کمزوریاں ہیں۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ فضائے بسیط میں اور تجریدی افکار میں بلند پروازی نہیں کر سکتا۔ اس کو مادی زمین پر اترنا پڑتا ہے۔ اس کی طبیعت اور جبلت کا مطالبہ حسی وابستگی ہے۔ جس سے انسان اپنا قلبی تعلق جوڑے۔ ویدانت کے تجریدی تصور "نیتی نیتی" پر ہندو قوم نہ چل سکی۔ اور اس کے رد عمل کے طور پر پھر غلیظ قسم کی بت پرستی میں غرق ہو گئی۔ اس لئے کہ ۔

خوگر پیکر محسوس ہے انساں کی نظر

اللہ تعالیٰ فطرت انسانی کا خالق ہے۔ سب سے زیادہ انسانی فطرت اور مزاج کا شناسا ہے۔ اس کو انسان کی کمزوری کا علم ہے۔ اس کمزوری کا خیال رکھتے ہوئے اس نے حسی دنیا میں دل بستگی کے لئے تین مظاہرات کو اپنی ذات سے نسبت قائم کرنے کی اجازت دی ہے۔ اب تقرب ذات حقیقت کبریٰ کے خواہش مند افراد ان تین مظاہرات سے تعلق خاطر قائم کریں۔ ان سے محبت کریں۔ یہ تین مظاہرات ہیں۔

۱۔ رسول اللہ --- جس ہستی کو اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام بندوں تک پہنچانے کے لئے منتخب کر لیا ۔ جن کا وحی اور جبرئیل کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے براہ راست رابطہ قائم ہے۔

۲۔ کلام اللہ --- اللہ کا کلام جو ۲۳ سال کی مدت میں وقتاً" فوقتاً" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔ اور اب قرآن مجید کی شکل میں موجود ہے۔

۳۔ بیت اللہ --- مکہ شریف میں قائم اللہ تعالیٰ کا وہ گھر جس کی طرف منہ کر کے ہر مسلمان عبادت کرتا ہے۔ جو قبلہ ہے' کعبہ شریف۔ صرف ان تین محسوس اور مادی اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے نسبت دی ہے اور کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ سے قائم ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور محبت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی محبت اور اطاعت کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ (النساء ـ ۸) جس نے رسول کی اطاعت کی دراصل اس نے اللہ کی اطاعت کی۔
یعنی رسول کی اطاعت کے علاوہ اللہ کی اطاعت کا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ رسول کی محبت ہی اللہ کی محبت ہے۔ اللہ فرماتا ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (آل عمران۔۳۱) اے نبی، لوگوں سے کہدو اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا۔

یہاں یہ امر واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ کی محبت اور اللہ کی اطاعت کی واحد شکل اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور محبت ہے۔ اس کے علاوہ دوسری کوئی شکل نہیں ہے۔

کلام اللہ، اللہ کا کلام ہے۔ اس کو پڑھنا، اس سے محبت کرنا، اس سے دل بستگی پیدا کرنا درحقیقت اللہ سے محبت اور وابستگی پیدا کرنے کے مترادف ہے۔ بیت اللہ تعلق باللہ اور تقرب الی اللہ کا مظہر ہے۔ حجر اسود کو بوسہ دینا اعمال طواف میں شامل ہے۔ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت فرمائی ہے کہ

الحجر الاسود یمین اللہ علی الارض۔ حجر اسود زمین پر اللہ کا دایاں ہاتھ ہے۔ جب حاجی حجر اسود کو بوسہ دیتا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کے داہنے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہوتا ہے۔ اس طرح ان تین ذرائع سے اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں موجود حسی تشنگی کو رفع کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ اسلام نے ایک طرف کامل تنزیہہ کا اعلیٰ معیار برقرار رکھا۔ تصور الوہیت میں کسی نوع کی مادی کثافت کی آمیزش نہیں ہونے دی اور ساتھ ہی تعلق خاطر اور قلبی وابستگی کے لئے ایک دریچہ بھی باز رکھا کہ خستگان راہ محبت اور تشنگان آب دیدار اس طرح کسی درجہ میں سیری اور سیرابی حاصل کریں۔ یہ اہتمام حکمت قرآنی کا اعجاز ہے۔

اسلامی فنون لطیفہ

فنون لطیفہ "کیا ہونا چاہئے" سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا شمار مثبت علوم (Positive Sciences) کی بجائے عیاری علوم (Normative Sciences) میں ہوتا ہے۔ اس لئے فنون لطیفہ میں حقیقت کبریٰ کا تصور جلوہ ریز ہوتا ہے۔ حقیقت کبریٰ کا تصور ہر قوم میں اور ہر تہذیب میں یکساں نہیں ہے۔ اس لئے ہر قوم کے یہاں فنون لطیفہ نے بھی جداگانہ انداز میں فروغ پایا ہے، اور ترقی کی ہے۔

مشرک اقوام نے حقیقت کبریٰ کا جلوہ بت کی صورت میں دیکھا۔ ان کی تمام محبت اور توجہ بت پر مرکوز ہو گئی۔ ان کی اس دلچسپی نے حسن و جمال کو بت میں متشکل کرنے کی کوشش کی۔ ان قوموں میں بت فروشی، مجسمہ سازی، سنگ تراشی، تصویر سازی جیسے مختلف فنون نے فروغ پایا۔ ہندو اپنے بتوں کو بھجن (گانے) سناتے تھے۔ اس جذبہ سے فن موسیقی اور نغمہ سرائی نے غیر معمولی اہمیت حاصل کر لی۔ یونانیوں اور ہندوؤں کے دیوی دیوتا بھیس بدل بدل کر آتے تھے۔ اس لئے ان قوموں میں سوانگ بھرنا بھی ایک قسم کی عبادت ہے۔ اس چیز سے فن ڈرامہ نگاری اور فن اداکاری پیدا ہوا۔ مسیحی مذہب میں کنواری مریم سے بچے کی ولادت اور پھر حضرت مسیح کا سولی پر چڑھنا۔ یہ دو بہت اہم اور عجیب واقعات ہیں۔ ان دو واقعات کی تجسیم کے لئے مسیحی سنگ تراشوں اور تصویر سازوں نے اپنی تمام صلاحیتیں صرف کر دیں۔ ان کے بہترین مصور ان دو واقعات کی تصویر کشی کرتے رہے ہیں۔ مختلف اقوام کے یہاں ان کے فنون لطیفہ کا تعلق ان کے تصور حقیقت کبریٰ سے بڑا قریبی ہے۔

مسلمانوں کے یہاں حقیقت کبریٰ کا تصور کچھ اور نوعیت کا ہے۔ اس لئے ان کے یہاں کچھ دوسرے انداز کے

فنون نے عروج پایا اور فروغ حاصل کیا۔ حقیقت کبریٰ کے تین مظاہرات میں سے پہلا مظہر حب رسولؐ ہے۔ حب رسولؐ سے شاعری کے میدان میں نعت گوئی نے ترقی کی دنیا کی کسی قوم کے اندر نعت گوئی کا انداز نہیں ہے۔ مسلمانوں کی کوئی زبان بلکہ کوئی بولی ایسی نہیں ہے جس میں مسلمان شعراء نے نعت رسولؐ میں دفتر کے دفتر بھر دیئے ہوں۔ یہ ذوق اسی جذبہ سے آج بھی برقرار ہے۔ ہندو شعراء نے بھی مسلمانوں سے متاثر ہو کر بڑی خوبصورت نعتیں کہی ہیں بعض شعراء ایسے گزرے ہیں اور آج بھی ہیں جو صرف نعت رسولؐ میں اشعار کہتے ہیں۔ محبت رسولؐ کی وجہ سے شاعری کی نئی صنف نعت وجود میں آئی اور اس میں عجیب ندرتیں اور انداز اختیار کئے گئے۔

تعمیر مساجد

حقیقت کبریٰ کا دوسرا مظہر بیت اللہ المکرم کعبہ شریف مکہ مکرمہ ہے۔ سارے عالم کے مسلمانوں کے لئے یہ قبلہ ہے اور سجدہ گاہ ہے۔ ساری مسجدوں کی محراب کا رخ اس کی طرف ہوتا ہے۔ دنیا کے جس شہر اور جس بستی میں مسلمان پہنچے وہاں انہوں نے اپنے بیت اللہ اپنی مسجدیں تعمیر کیں۔ محبت اور عقیدت کے اعلیٰ نمونے پیش کئے۔ اشبیلیہ کے حکمران معتمد بن عباد نے اس سلسلہ میں ایک نادر مثال پیش کی ہے۔ مسجد تعمیر کرتے وقت چونے اور گارے کے ساتھ اس نے مشک کے بورے بھی گارے میں ڈلوا دیئے تھے۔ مدتوں مسجد کی دیواروں سے مشک کی خوشبو آتی رہتی تھی۔

تعمیر مساجد میں مسلمانوں نے فن تعمیر کے نادر نمونے پیش کئے ہیں۔ مسجد قرطبہ (اندلس) جامعہ قیروان (فاس) مسجد سلطان احمد (قسطنطنیہ) مسجد اصفہان (ایران) بادشاہی مسجد (لاہور) مسجد قوت الاسلام (دہلی) شاہجہانی مسجد (دہلی) اپنے حسن و رعنائی میں نادرۂ روزگار ہیں۔ جس میں ہر عام آدمی کو بھی عظمت' شوکت' جلال اور جمال کا مظہر صاف نظر آتا ہے۔ تعمیر مساجد سے فن تعمیر کو غیر معمولی عظمت حاصل ہو گئی۔

حسن قرات

حقیقت کبریٰ کا تیسرا مظہر کلام اللہ قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید سے مسلمانوں کی عقیدت و محبت نے کئی رخ اختیار کئے ہیں۔ سب سے اول اور اہم بات تو یہ ہے کہ مسلمان اللہ کی کتاب کو حفظ یاد کرتے ہیں آج تک مسلمانوں کا کوئی شہر بلکہ کوئی بستی ایسی نہ ہو گی جو حفاظ قرآن سے خالی ہو۔ دنیا کی تمام اقوام میں یہ شرف صرف قرآن مجید کو حاصل ہے کہ اس کے حفاظ ہزاروں کی تعداد میں ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں۔ یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جو سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے۔

قرآن مجید کے پڑھنے کا ایک خاص انداز ہے۔ یہ موسیقی نہیں ہے بلکہ لحن داؤدی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بڑے ذوق و شوق سے قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے۔ جس کو سن کر ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

لقد اوتی هذا من مزا میر داود۔ اس کو اللہ نے حضرت داؤد جیسا لحن اور سوز عطا کیا ہے۔

بالکل آغاز کا واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے گھر میں رات کو نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے۔ قرات کی اثر انگیزی سے اہل محلہ متاثر ہوتے تھے۔ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے انہوں نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ ابوبکرؓ کی آواز سے ہماری عورتیں اور بچے متاثر ہوتے ہیں۔ ان کو آواز بلند سے پڑھنے سے منع کر دیں۔ اس واقعہ سے قرآن کی کشش کا پتہ چلتا ہے۔ بعض نومسلم انگریزوں نے بھی بیان کیا ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت سن کر ہی اول ہمارا دل اسلام کی طرف مائل ہوا تھا۔

قرآن مجید کی قرآت کو مسلمانوں نے ایک فن بنا دیا ہے۔ صوت کے اظہار میں جدت طرازی اور ابلاغ سے کام لیا۔ ان کے نتیجے میں آج عالم اسلام میں قرآت کے ساتھ سات مستند اور تین غیر مستند طریقے رائج ہیں۔ کوئی صاحب کمال قاری جب قرآن مجید کی قرآت کرتا ہے تو اس کو سن کر حقیقت یہ ہے کہ قلب و روح میں ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کا اظہار الفاظ سے مشکل ہے۔

ادب لطیف

قرآن مجید کی تلاوت ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ قرآن مجید کی زبان عربی مبین ہے۔ فصاحت و بلاغت میں یکتا ہے۔ حسن بیان اور حسن ترکیب میں بے مثال ہے۔ اس کی آیات حسن صوت اور حسن آہنگ میں نغمہ ریز ہیں۔ حسن معنوی کی اثر آفرینی اور سحر انگیزی لاثانی ہے۔ بات کانوں کے پردے سے ٹکراتی ہے اور سیدھی دل میں جا کر گھر کر لیتی ہے۔ لاکھوں افراد کی زندگیاں اس کی تلاوت نے تبدیل کر ڈالیں۔ ان کی زندگیوں میں انقلاب عظیم آگیا۔ اس کی سحر آفرینی کا زور آج بھی بدستور قائم ہے۔

حفظ قرآن اور تلاوت قرآن کے نتیجے میں مسلمانوں کا ذہن کلام کی معنویت سے متاثر ہوا۔ اس تاثر سے علوم و حکم کے کتنے ہی چشمے پھوٹے کلام الٰہی کی معنویت سے قاری کے ذہن میں ذوق ادب اور ذوق لطیف کی آبیاری ہوئی۔ یہ قرآن کا فیضان ہے کہ مسلمان دنیا کی اقوام میں ادب پروری کے لئے مشہور و ممتاز ہو گئے۔

سب سے اول اور سب سے اعلیٰ نمونہ کلام تو اس کلام کے لانے والے نے پیش کیا۔ آپ نے فرمایا **انا افصح العرب والعجم** میں عرب اور عجم کا فصیح ترین خطیب ہوں۔ آپ کا کلام ادب کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ آپ کے اقوال جوامع الکلم ہیں۔ جن میں ایک دریائے معانی بند ہے۔ دوسرے درجے پر اس چشمے سے فیض یاب ہونے والے حضرت علیؓ ہیں۔ جن کے خطبات نہج البلاغہ کی صورت میں طالبوں کی رہنمائی کرتے رہتے ہیں۔ ان سرچشموں سے فیض یاب ہو کر مسلمانوں کے اہل علم ذوق ادب اور ذوق لطیف اور حسن کلام سے بہرہ مند ہوتے رہے ہیں۔ لطافت و نزاکت ادب کے دقائق کے شناسا رہے ہیں۔ مسلمانوں نے ہر ملک اور ہر زبان میں ماہر خطیب اور فصیح اللسان ادیب پیدا کئے ہیں۔ مسلمان ادیبوں نے اعلیٰ درجے کا ادب لطیف دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔

مسلمان اہل قلم نے صرف سنجیدہ اور خشک ادب کی ہی آبیاری نہیں کی بلکہ تفریحی ادب کی بھی آبیاری کی ہے۔ عام تصور کے برخلاف اسلام کھیل، تفریح اور خوش طبعی کی اجازت دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند حبشی نوجوانوں کو کھیلنے پر آمادہ دیکھا تو آپؐ نے فرمایا

یا اهل رفده ، دونکم فی المسجد لیعلم الیهود ان فی دیننا فسحته (بخاری) اے اہل حبشہ، یہاں مسجد میں کھیلو، تاکہ یہود کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے دین میں بڑی وسعت ہے۔

مسلمان اہل قلم نے تفریحی ادب بھی پیدا کیا ہے۔ جاحظ کے رسائل، حریری کے مقامات، گلستاں و بوستان، باغ و بہار و نو طرز مرصع سب اسی قبیل کی کتابیں ہیں۔

تحسین خط

کلام اللہ سے عقیدت و محبت کا ایک رخ تحریر و کتابت کلام الٰہی کی جانب ہے۔ قرآن مجید کی کتابت کو مسلمانوں نے ایک فن بنا دیا۔ جس میں بڑا تنوع اور بو قلمونی ہے۔ کتابت قرآن مجید کے ایسے لاثانی اور نادر نمونے مسلمان قلمکاروں نے پیش کئے ہیں جو آج دنیا کے عجائب خانوں میں محفوظ ہیں۔ ان کا فی الحقیقت کوئی جواب نہیں' وہ لاثانی ہیں۔

آغاز میں مکی مدنی خط ایک سپاٹ سی تحریر تھی۔ قرآن مجید کو بہترین انداز پر لکھنے کے دینی جذبے نے بتدریج اس خط کو حسن و رعنائی' زیبائی اور دلکشی کے اس اعلیٰ معیار پر پہنچا دیا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ دنیا کا کوئی خط دلکشی اور زیبائی میں عربی خط کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ دنیا کی کوئی کتاب حسن و دلکشی میں قرآن مجید کی کتاب کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

عربی خط کا یہ ارتقائی سفر بڑا دلچسپ ہے اور صدیوں پر محیط ہے۔ اسلامی سلطنتوں کے ساتھ ساتھ عربی خط بھی سفر کرتا رہا۔ مدینے سے یہ خط کوفہ منتقل ہوا اور خط کوفی کہلایا۔ یہاں اس کو اعراب کا اعلیٰ نظام دیا گیا۔ جس کے بعد اس کا پڑھنا غیر مسلموں کے لئے بھی سہل ہو گیا۔ کوفہ سے یہ قیروان افریقہ پہنچا اور خط قیروانی کہلایا۔ وہاں سے فاس (مراکش) پہنچا اور خط مغربی کہلایا۔ وہاں سے اندلس گیا اور خط قرطبی کہلایا۔ قیروان سے جنوب میں ٹمبکٹو (مالی) گیا اور خط تکروری کہلایا۔ اتنے سارے خطوط کے نام سے یہ شبہ نہ ہو گا کہ طرز تحریر میں کوئی زیادہ فرق آ گیا تھا۔ افریقی خطوط تقریباً یکساں تھے۔

مشرقی ممالک میں خط نے ترقی کی ہے۔ کوفہ سے دمشق پہنچا۔ وہاں پہلی مرتبہ خط کی تزئین اور آرائش کی کوشش کی گئی۔ قطبہ بن شبیب پہلا باقاعدہ خطاط تھا۔ خط کا دوسرا بڑا محقق ابن مقلہ تھا جس نے خط نسخ اختراع کیا۔ جو آج تک مستعمل ہے۔ قرآن مجید آج بھی نسخ میں ہی لکھا جاتا ہے اس خط کا امام یاقوت مستعصمی تھا۔ (۶۹۸)

کاملے باید کہ دریا بد اصول خط نیک ورنہ ہر ناقصانہ واند سیوۂ یاقوت چیست

تاتاریوں کے زمانہ میں دارالحکومت بغداد سے تبریز منتقل ہو گیا۔ وہاں نیا خط تعلیق ایجاد ہوا۔ یہ خوبصورت نظر آتا ہے۔ تیمور کے زمانہ میں دارالحکومت سمرقند منتقل ہو گیا۔ وہاں خط نستعلیق ایجاد ہوا۔ حسن و لطافت زیبائی اور جاذبیت میں خط نستعلیق سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ میر عماد حسینی (۱۰۳۴) اس خط کا امام گزرا ہے۔ مغل بادشاہوں نے اس کو ہندوستان میں مقبول بنا دیا اردو زبان خط نستعلیق میں لکھی جاتی ہے۔

دبستان ہرات

یوں تو تمام ہی سلاطین حسن خط کے شیدا تھے لیکن تیموریان ہرات (۸۰۷-۹۱۱) کا کوئی جواب نہیں۔ فنون لطیفہ خاص طور پر خط نستعلیق کی آبیاری اور ترقی پر جو غیر معمولی محنت اور توجہ انہوں نے صرف کی ہے۔ خاص طور پر بایسنقر مرزا اور حسین بایقرا نے' وہ تاریخ عالم میں لاثانی ہے۔ مختلف فنکاروں کی ایک فوج ظفر موج ان سلاطین کے درباروں سے وابستہ رہتی تھی۔ جن کی ہر طرح سے ہمت افزائی کی جاتی تھی۔ ان میں کاتب' نقاش' جدول کش' مذہب' مجلد' صحاف' زرکوب' لاجورد شعر' کاغذی' رنگ برنگ کاغذ ساز' روشنائی ساز وغیرہ وغیرہ ہوتے

تھے۔ (تاریخ حبیب السیر) علاوہ صفحہ کہلاتا تھا جس کی کتابت میں اور نقاشی میں آب زر (سونے کا پانی) استعمال ہوتا تھا۔ بغداد کی تباہی (۱۲۵۸ء) کے موقع پر ہزارہا کتابوں و تاتاریوں نے نذر آتش کر دیا تھا۔ اس وقت بعض کتابوں سے سونا پگھل پگھل کر بہہ رہا تھا (البدایہ والنہایہ) بہرکیف دہلی کے مغل سلاطین' ایران کے صفوی' بخارا کے ازبک اور قسطنطنیہ کے عثمانی کوئی بھی فن پروری میں تیموریان ہرات سے بازی نہ لے سکا۔

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
زور یاروں نے بہت ذوق غزل میں مارا

ہرائی فنکاروں کی تیار کردہ بہترین کتاب شاہنامہ فردوسی کا وہ نسخہ ہے جو حسین بائقرا کی نگرانی میں تیار کیا گیا تھا۔ جس میں بیسیوں فنکاروں نے حصہ لیا تھا۔ جو آج ترکی کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے۔ فن تعمیر کا بہترین نمونہ شاد بیگم ہے۔ جس میں بادشاہ حسین بائقرا نے خود اپنے ہاتھ سے کتبات لکھے تھے۔

قرآنی کتابت کے نادر نمونے' حسین ترین نقش و نگار سے مزین آج دنیا بھر کے کتاب خانوں اور عجائب خانوں کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ بعض نسخوں میں فنکاروں نے دوسری قسم کی جدتیں بھی اختیار کی ہیں۔ مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں عہد عالمگیری میں لاہور کے کاتبوں کے لکھے ہوئے دو قرآن مجید ہیں۔ سارا قرآن مجید تیس اوراق پر لکھا ہوا ہے۔ ہر سطر کا آغاز حرف واو سے ہوتا ہے۔ یہ محمد حسین لاہوری کا لکھا ہوا ہے۔ دوسرا قرآن مجید بھی تیس اوراق پر ہے۔ یہاں پہلا حرف الف ہے جس سے سطر کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ قرآن مجید روح اللہ لاہوری کا لکھا ہے۔ (تاریخ عبدالقادر کروی) یہ سب اسلام کے ذوق جمالیات کا فیضان ہے۔ یہ سب قرآن مجید کا فیضان ہے۔ کتابت قرآن میں کاتب بیک وقت تحسین جمال اور تنزیہہ کمال حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہتے تھے۔

رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزۂ فن کی ہے خون جگر سے نمود
اقبالؒ

ذوق جمال اور تقرب حق

مسلمان فن کاروں اور ماہرین اساتذہ کے نزدیک ذوق جمالیات کے مظاہرات تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہیں۔ فن پاروں کی حسن و جمال میں حقیقت کبریٰ کا جلوہ عکس ریز ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم چند ماہرین فنکاروں کی آراء پیش کرتے ہیں۔ سرنامہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

الشعراء تلامیذ الرحمن شعراء رحمان و رحیم کے شاگرد ہوتے ہیں وہ ذات خداوندی سے براہ راست اکتساب فیض کرتے ہیں۔ ابو الفضل نے آئین اکبری میں "فن خطاطی" کو "توفیق ایزدی کا فیضان" لکھا ہے اور ماہر خطاطوں کو "مکتب علم لدنی کے فیض یافتہ" لکھا ہے

مشہور و معروف استاد فن خطاطی بابا شاہ اصفہانی (۹۹۴ھ) نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے "**توقیر الحسن بوصل الی الحبیب**" حسن کی قدر و منزلت آدمی کو حبیب تک پہنچا دیتی ہے۔ (آداب المشق مخطوطہ مخزونہ جامعہ پنجاب لاہور) چونکہ حسن خط کا تعلق مشاہدۂ جمال شاہد حقیقی سے ہے' اس لئے وہ فنکار کو طہارت' نظافت اور تزکیہ نفس کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہونے کی نصیحت کرتا ہے۔ "کاتب کے لئے ضروری ہے کہ بری صفات سے

اجتناب کلی کرے اور صفات حسنہ اپنے اندر پیدا کرے تاکہ صفات حسنہ کا نور اسکی تحریر کے چہرے سے ظاہر ہو اور ہوش مند لوگوں کو پسندیدہ نظر آئے۔" ایک دوسرے استاد فن خطاطی سلطان علی مشہدی لکھتے ہیں۔

"صفائے خط از صفائے دل است" خط میں صفائی دل کی صفائی سے پیدا ہوتی ہے۔ "شان خط" کے متعلق وہ لکھتے ہیں۔

"شان خط وہ حالت ہے کہ جب تحریریں پیدا ہوجاتی ہے تو کاتب اس کو دیکھ کر خود مجذوب ہو جاتا ہے اور بے خود ہو جاتا ہے۔ جب کاتب کا قلم "صاحب شان" بن جاتا ہے' تو وہ پھر دنیا کی لذتوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اپنی مشق میں مشغول ہو کر شاہد حقیقی کے جمال کے انوار کا نظارہ کرتا رہتا ہے۔"

غبار راہ کو بخشا گیا ہے ذوق جمال
خرد بتا نہیں سکتی کہ مدعا کیا ہے
اقبالؒ

فہم و فراست' حکمت و دانائی' زیرکی و دراکی کی طرح حسن نظر اور ذوق جمال ان نعمت ہائے خداوندی میں سے ہے جن کی تقسیم تمام انسانوں میں یکساں نہیں ہے۔ بعض اس معاملے میں غبی اور بے حس ہوتے ہیں اور بعض دوسرے لوگ غیر معمولی حساس اور ذہین ہوتے ہیں۔ درمیان میں کتنے ہی درجات اور مراتب ہیں۔ اس لئے مظہر حسن و جمال کے سلسلے میں ہر شخص سے یکساں توقع نہیں کی جا سکتی۔ توقیر حسن وجمال معروضی سے زیادہ موضوعی ہے۔ مگر بلاشبہ مشق و مزاولت کی بھی اہمیت ہے۔

بے محنت پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا
روشن شرر تیشہ سے ہے خانہ فرہاد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔
اشیاء مستعمہ جمیلہ

ان اللہ جمیل ویحب الجمال۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۔۱۔ ص ۲۹۹)
اللہ تعالیٰ حسین ہے اور حسن کو پسند کرتا ہے۔

آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنوز
ہے پیش نظر آئینہ دائم نقاب میں
غالب

ایک دوسرے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

ان اللہ طیب یحب الطیب ونظیف یحب النظافتہ و کریم یحب الکرم وجواد یحب الجود فنظفوا افنیتکم ولا تشبھوا بالیھود (رواہ الترمذی)

اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہے' پاکیزگی کو پسند کرتا ہے۔ صاف ہے' صفائی کو پسند کرتا ہے۔ شریف ہے' شرافت کو پسند کرتا ہے۔ سخی ہے' سخاوت کو پسند کرتا ہے۔ اپنے صحنوں کو صاف رکھو اور یہود سے مشابہت مت اختیار کرو

مسلمانوں کی تعلیم و تربیت مشکوۃ نبوت کی روشنی میں ہوئی ہے۔ ان کا ذہنی قالب مذکورہ بالا احادیث کی

رہنمائی میں تیار ہوا ہے۔ جسمانی طور پر جہاں وہ طہارت اور نظافت کا اہتمام کرتے ہیں۔ وہاں ذہنی طور پر تزئین اور تحسین اشیاء کا اہتمام کرتے ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے اس امر کی انہیں ترغیب دی ہے۔

انا جعلنا ما علی الارض زینته لها لنبلوهم ایهم احسن عملا (کہف۔ ۷)

واقعہ یہ ہے کہ یہ جو کچھ سرو سامان بھی زمین پر ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ان لوگوں کو آزمائیں ان میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔

اس ذہنیت کے پیش نظر مسلمان کاریگروں نے عام استعمال کی اشیاء کو حسین اور جمیل بنا کر پیش کیا مثلاً قالین، مصلیٰ، پارچہ جات، ظروف، اسلحہ کے ملا اور مذہب دستے حتیٰ کہ حقہ کی منہال۔ گویا انہوں نے حسن و جمال کے عکس کو ان اشیاء مصنوعہ میں مرتکز کر دیا۔

ان اشیاء کو حسین و جمیل بنانے میں مسلمان کاریگروں نے تصویر کا استعمال نہیں کیا۔ اس لئے کہ اسلام میں یہ ممنوع ہے۔ ان میں مختلف انداز سے بیل بوٹے اور گل کاری کا استعمال کیا گیا ہے۔ ان میں رنگوں کا تنوع بھی بڑا جاذب نظر ہے۔ ان سب کا مجموعی اثر ذہن پر نہایت فرحت بخش اور دل خوش کن ہوتا ہے۔ فریر ہال کراچی میں ایک مرتبہ ایک امریکن نے اپنے نوادارت کو پیش کیا تھا۔ ان میں خلیفہ عثمانی سلطان سلیمان اعظم (۱۵۶۶ا۔۔۱۵۲۰ء) کی چٹائی پیش کی گئی تھی۔ اس کا تانا ہاتھی دانت کے تاروں کا اور بانا سونے کے تاروں کا تھا۔ یہ بڑی خوبصورت چٹائی تھی۔ چار پانچ افراد اس پر باآسانی بیٹھ سکتے تھے۔ یہ ایک استعمالی شے تھی اور پھر حسین اور جمیل بھی تھی۔

یہاں مسلمان فنکاروں اور کاریگروں کے نقطہ نظر میں ہندوؤں، یونانیوں اور یورپیوں کے نقطہ نظر میں واضح فرق موجود ہے۔ دوسری قوموں کے یہاں صرف ندرت کافی ہے، استعمالی ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ عام طور ان کی اشیاء قابل استعمال ہوتی ہی نہیں، اس سلسلے میں مشہور نومسلم محمد مارم ڈیوک پکتھال نے اپنی کتاب اسلامی تہذیب میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں انگلستان میں فن پاروں کی اہمیت اور توقیر کے سلسلے میں ایک بحث چل نکلی۔ فن کے قدر دانوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا کہ فرض کیجئے کسی عمارت میں آگ لگ جاتی ہے۔ اس کی بالائی منزل میں یونانی بت سازی کا انتہائی نادر نمونہ رکھا ہوا ہے اور ایک انسانی بچہ بھی وہاں موجود ہے۔ بتایئے پہلے کس کو بچایا جائے۔ فن کے تمام شیدائیوں کا فتویٰ یہ تھا کہ نادر نمونہ کو بچایا جائے۔ خواہ انسانی بچہ ہلاک ہو جائے۔ اس لئے کہ فن کا نمونہ پھر دستیاب نہیں ہو سکتا۔ مٹی اور پتھر کے نمونے پر انسانی جان کو قربان کر دینا اسلام کے اساسی تصور کے خلاف ہے۔ ساری اشیاء انسان کے لئے ہیں انسان ان اشیاء کے لئے نہیں ہے۔

تصویر سازی انحراف ہے

اسلام کا تصور حیات نظریاتی ہے۔ اس کے تحت عام سرگرمیاں اور مظاہرات بھی نظریاتی ہیں۔ اسلام کا سارا نظام حیات باہم مربوط ہے اور شعور دینی کی فاضل رہنمائی کے تحت فروغ پاتا ہے۔ شرک و بت پرستی کی تباہ کاریاں مذاہب کی تاریخ میں اظہر من الشمس ہیں۔ اس لئے سدباب ذریعہ کے طور پر اسلام نے بت سازی، تصویر سازی، عریانی اور رقص سرود کو ممنوع قرار دے دیا۔ اس لئے اسلامی فنون لطیفہ کے دائرے میں مسلمان فنکاروں نے جائز حدود میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں البتہ کہیں کہیں انحراف کی شکلیں بھی نظر آ جاتی ہیں۔ جو غیر

پسندیدہ ہیں۔

نظریاتی زندگی کا ایک خاصہ انحراف ہے۔ جہاں غیر معمولی اکثریت نظریئے کی پابندی اختیار کرتی ہے۔ وہاں کچھ لوگ انحراف بھی کر ڈالتے ہیں۔ انحراف کی حیثیت صحت کے مقابلہ میں مرض اور بیماری کی ہے۔ مرض عام طور پر تو انفرادی رہتا ہے لیکن کبھی وبائی شکل بھی اختیار کر لیتا ہے اور ایک کثیر گروہ اس سے متاثر ہو جاتا ہے۔

گزشتہ ڈیڑھ ہزار سال میں مسلمان اقوام نے مختلف ملکوں، مختلف قوموں اور مختلف زمانوں میں وقت گزارا ہے۔ مختلف اقوام کے ساتھ ان کی ہم سائیگی اور مجاورت رہی ہے۔ ان سے روابط حاکمانہ بھی رہے ہیں اور محکومانہ بھی۔ طبعی قانون کے تحت وہ ان پر اثر انداز بھی ہوئے اور ان سے متاثر بھی ہوئے ہیں۔ اسلام کا عروج کا زمانہ تھا تو یونانی ہمسائیگی کے باوجود مسلمانوں نے تصویر سازی سے کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ لیکن دور زوال میں جب تاتاری غیر مسلم عالم اسلام کے بڑے حصے پر غالب آگئے تب چینی تصویر سازی کو تاتاریوں اور پھر مغلوں نے تیموریوں نے فروغ دیا۔

اس سب کے باوجود یہ انحراف تھا، اسلامی مزاج اس کو قبول نہ کر سکا۔ مگر جدید دور میں مستشرقین کی تمام مساعی نامسعود کا ہدف یہ ہوتا ہے کہ وہ ارباب زیغ کو اسلام کا نمائندہ ثابت کریں۔ اس طرح دور انحراف کو وہ اسلام کا صحیح طریقہ کار ثابت کرتے ہیں۔ وہ ہر طرح اسلام کے منورہ چہرے کو غبار آلود بناتے رہتے ہیں۔

دگر بدشت عرب خیمہ زن کہ بزم عجم
مئے گزشتہ و جام شکستنی دارد
اقبالؒ

سعة مغفرة الله عز وجل

عن أنس رضي الله عنه قال. سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول : «قال الله تعالى:

يا ابن آدم، إنك ما دعوتني ورجوتني وغفرتُ لكَ على ما كان منك ولا أبالي.

يا ابن آدم، لو بلغت ذنوبك عنان السماء ثم استغفرتني غفرت لك.

يا ابن آدم. إنك لو أتيتني بقراب الأرض خطايا ثم لقيتني لا تشرك بي شيئاً لأتيتك بقرابها مغفرة.

رواه الترمذي وقال حديث حسن صحيح.